کائنات خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قواعد کے ماتحت چل رہی ہے

(فرمودہ ۱۸- ستمبر ۱۹۱۴ء)

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت کی:-

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَ قَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ [1]

اس کے بعد فرمایا:-

اس دنیا کے کارخانے پر غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے تمام کاموں کیلئے خواہ وہ کام دین کے ہوں خواہ دنیا کے' خواہ وہ کام جسم کے متعلق ہوں خواہ وہ روح کے' دوستوں کے متعلق ہوں یا رشتہ داروں کے' اپنے عزیزوں کے متعلق ہوں یا اپنے نفس کے' حکام کے متعلق ہوں یا رعایا کے' بڑوں کے متعلق ہوں یا چھوٹوں کے' دوستوں کے متعلق ہوں یا دشمنوں کے' عالموں کے متعلق ہوں یا جاہلوں کے ان کیلئے خدا تعالیٰ نے ضرور کچھ قواعد مقرر کئے ہوئے ہیں- جن کی خلاف ورزی کبھی ہو ہی نہیں سکتی- تمام کائنات اور اس دنیا کے کارخانے کا کام ان قواعد کے ماتحت چل رہا ہے- ان کو سمجھنے اور ذہن نشین کر لینے کے بعد انسان بہت سی مشکلات اور مصائب سے بچ سکتا ہے- یہ قواعد ایسے وسیع ہیں کہ کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی ان سے باہر نہیں نکل سکتی اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ ان کی حکومت سے باہر نہیں رہ سکتا ہے- ہمارے بنائے ہوئے قواعد کمزور اور غلط ہوسکتے ہیں کیونکہ انسان کا علم بھی کمزور اور ناقص ہے- اور یہی وجہ ہے کہ بہت دفعہ انسان کے بنائے ہوئے

قواعد نیچے رہ جاتے ہیں اور کئی بڑی بڑی ہستیاں ان کو روند کر اوپر سے گزر جاتی ہیں۔ یا وہ بہت اوپر رہ جاتے ہیں، اس لئے کئی چھوٹی ہستیاں نیچے سے گزر جاتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ واسع اور محیطِ کُل ہے اور اس کا علم ایک ایک ذرے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ خالق ہے، مالک ہے، رازق ہے اس لئے اس کے مقرر کردہ قواعد سے کوئی چیز باہر نہیں جاسکتی۔

ان قواعد میں سے جو اس دنیا کیلئے بنائے گئے ہیں، ایک قاعدہ ڈھیل کا ہے اور یہ مَیں نے اس کا نام اپنی زبان میں رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کیلئے ڈھیل کا کچھ میدان مقرر کیا ہوا ہے حکیم اور علیم ہستی کے قواعد کبھی بِلا حکمت نہیں ہوتے۔ ایک انسان تو کہتا ہے کہ فلاں بات یوں ہوجائے، ورنہ یوں ہوجائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کبھی ایسا نہیں کرتا۔ اس نے سب کاموں کے قاعدوں میں مہلت اور ڈھیل کا میدان رکھا ہوا ہے اس کے اندر مختلف تغیرات میں سے انسان گزرتا ہے کبھی اس کی حالت کچھ ہوتی ہے اور کبھی کچھ۔ کئی انسان زنا کرتے ہیں لیکن ہر ایک کو سزا نہیں ملتی۔ اسی طرح کئی انسان نیکیاں کرتے ہیں لیکن ہر ایک نبوت کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ بہت دفعہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی نماز میں روتے روتے گھنٹوں سجدے میں گزار دیتا ہے۔ اور اتنی لمبی نماز پڑھتا ہے کہ تمام رات میں دو رکعت ہی ختم کرتا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم اس کی اس نماز کی خوبصورتی اور عبادت کی عمدگی کو دیکھ کر یہ کہہ دیں کہ انبیاء کی عبادت سے بڑھی ہوئی ہے۔ اسی طرح ایک شخص کفر کے کلمے بکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتا ہے اس کی ذات کی طرف گند منسوب کرتا ہے لیکن پھر اسی وقت تباہ نہیں ہوجاتا۔ پہلے کی طرح ہی کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، اُٹھتا بیٹھتا اور رہتا سہتا ہے۔ پھر ایک آدمی کو ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی سخت چیز نگل لیتا ہے جس کو اس کا معدہ ہضم نہیں کرسکتا۔ لیکن اسی دن اس کو قولنج نہیں ہوجاتا۔ بعض بچے شیشے کے ٹکڑے کھا جاتے ہیں اور نہیں مرتے۔ پھر اگر کوئی ایک قطرہ آرسنک (سنکھیا) کا پی جائے تو مرتا نہیں یا ایک لقمہ گھی کا کھالے تو موٹا نہیں ہوجاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ڈھیل کا میدان رکھا ہوا ہے۔ ایسا انسان ابھی اس کے اندر ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آج کل کے جنگوں میں تم دیکھ رہے ہو کہ ایک دن لکھا ہوتا ہے کہ جرمن فلاں جگہ سے آگے بڑھے اور دوسرے دن خبر ہوتی ہے کہ پیچھے ہٹادیئے گئے۔ ان باتوں کو لڑائی کا فیصلہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ابھی اس میں ڈھیل ہے اس لئے یہ لڑائیاں میدان جنگ کی کاروائی کا نتیجہ نہیں پیدا کرسکتیں۔ اسی طرح انسان کو اس کے اعمال

کبھی کسی طرف دھکیل کر لے جاتے ہیں اور کبھی کسی طرف- لیکن جو انسان نفسِ مُطمَئِنّہ کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور جو دوسری طرف آخری نقطہ پر چلا جاتا ہے وہ پھرایسا گمراہ ہوجاتا ہے کہ کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت اور وعظ کرنے والے کا وعظ اس کیلئے مؤثر نہیں ہوسکتا- اس جنگ میں کامیاب ہونے والے انسان کی مثال اسی طرح ہوتی ہے کہ جس طرح ایک فاتح دشمن کے قلعے پر کھڑا ہو کر ٹھنڈی ہوا کھا رہا ہو اور اردگرد کے منظراور سبزی سے لطف اُٹھا رہا ہو- اسے دیکھ کر اور پھر ایک ایسے سپاہی کو دیکھ کر جو لڑائی میں بڑی جانبازی اور کوشش سے تلوار چلا رہا ہو ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ قلعہ پر چڑھ کر سیر کرنے والا بے کار ہے اور کوئی محنت نہیں کرتا- لیکن اسے کیا معلوم ہے کہ اس نے مدتوں تلوار کھینچی اور محنت کی ہے اور اسی وجہ سے آج قلعہ تک پہنچا ہے- اس کا لڑائی میں تلوار چلانا اس کی فتح نہ تھی کیونکہ کبھی یہ ایک قدم آگے بڑھ آتا تھا اور کبھی اس کو پیچھے ہٹنا پڑتا تھا- لیکن جب اس نے دشمن کو کامل شکست دی' تب جاکر قلعہ پر قبضہ کرنے کے قابل ہوا- تو ایک میدان خداتعالیٰ نے بھی رکھ دیا ہوا ہے- بہت کم عقل ہوتے ہیں وہ لوگ جو اس میدان میں ترقی کا ایک قدم چل کر کہتے ہیں کہ ہم کامیاب ہوگئے- ایسے لوگوں کو شیطان گھسیٹ کر ایک قدم پیچھے پھینک دیتا ہے اس کے خلاف ایک ایسی قوم بھی ہوتی ہے جو اگر اصل راہ سے ایک قدم پیچھے ہٹ جائے تو سمجھتی ہے کہ اب ہمارے سنبھلنے کا کوئی طریق نہیں- ایسوں کو بھی شیطان اُبھرنے نہیں دیتا-

کامیابی وہی انسان حاصل کرسکتا ہے جو اگر آگے بڑھے تو خوش نہیں ہوتا اور اگر پیچھے ہٹے تو مایوس نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جہاں میں نے پہنچنا ہے وہ اَور ہی جگہ ہے- ایک طبیب مریض کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ اس کی حالت اچھی ہے' نبض چلتی ہے' طاقت قائم ہے- مگر اس کے ماں باپ وغیرہ رو بیٹھتے ہیں-پھر کبھی ایک طاقتور انسان ہوتا ہے اور لوگ اسے موٹا تازہ سمجھتے ہیں لیکن طبیب کہہ دیتا ہے کہ اس کے دل کو ایسا صدمہ پہنچا ہوا ہے ممکن ہے کہ ذرا سی زور کی آواز سے اس کی جان نکل جائے- تو انسان کے لئے اپنی حالت کی نسبت بظاہر فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن جب وہ کسی حد کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کی حالت کا اندازہ کرنے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہ جاتا- اگر ایک آدمی کچھ عرصہ بے کار رہے تو اس کے اعضاء کسی قدر کام کرنے کے ناقابل ہوجاتے ہیں لیکن اگر وہ مطلقاً ان سے کوئی کام نہ

لے تو وہ بالکل نکمے ہوجاتے ہیں۔ یہی حال روحانیت کا ہے۔ روحانیت میں وہ درمیان کا راستہ جس کا خدا تعالیٰ نے ڈھیل نام رکھا ہے اس میں انسان کی کامیابی اور شکست حقیقی نہیں ہوتی۔ اس سے اکثر لوگوں کو دھوکا لگتا ہے وہ چند روز اچھی طرح نمازیں پڑھ کریا ایک مہینہ روزے رکھ کر خیال کرتے ہیں کہ ہم پاک اور معصوم بن گئے ہیں۔ لیکن انہیں کیا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ان کی بغلوں میں باہیں دیئے کھڑا ہوتا ہے۔ اور ان کو ایک ہی دھکا دے کر تَحۡتَ الثَّرٰی میں گرادیتا ہے۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اور اگر نیکی کرتا ہے تو نور آجاتا ہے۔ آخر کار ان دونوں میں سے کوئی غالب آجاتا ہے ۲؎۔ ہاں انسان پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جبکہ وہ شیطان کی زد سے محفوظ ہوجاتا ہے یااس کے برخلاف اس کی حالت ایسی گرجاتی ہے کہ پھر سنبھلنے کے قابل نہیں رہتا۔ کئی لوگ اپنے خیال میں دوسروں پر اس رنگ میں رحم کرتے ہیں کہتے ہیں ممکن ہے کہ وہ ہدایت پاجائیں۔ اور بعض اس کی ضِدّ میں یہ کہتے ہیں کہ نبی بھی تو انسان ہی ہوتا ہے وہ بھی زنا کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ یہ دونوں گروہ غلط اور بیہودہ خیالات رکھتے ہیں۔ ایک رسول بے شک انسان ہی ہوتا ہے لیکن وہ اس حد سے گزرچکا ہوتا ہے جہاں تک کہ کسی گناہ کے کرنے کا امکان ہوتا ہے۔ اسی طرح ابوجہل اور فرعون بھی بندے ہی تھے لیکن وہ گمراہی کی اس حد تک پہنچ چکے تھے جہاں سے واپس لوٹنا ناممکن تھا۔ اور ان کیلئے ہلاکت ہی ہلاکت تھی۔

یہی مثال اس زمانہ میں دیکھ لو کہ لیکھرام کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام تھا کہ ہلاک ہوجائے گا اس کیلئے کوئی شرط وغیرہ نہیں تھی کیونکہ یہ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ اس کے اندر نور کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔ اور جس طرح ایک ہاتھ خشک ہوجانے یا آنکھ کا نور ضائع ہوجانے کے بعد پھر طاقت .اور نور پیدا نہیں کیاجاسکتا۔ اسی طرح اس کا دل ایسا تاریک ہوگیا تھا کہ اس میں نور پیدا نہیں ہوسکتا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ یہ بلاشک ہلاک کیا جائے گا۔ یہ کوئی اس پر ظلم نہیں تھابلکہ اس کے اعمال کا عین نتیجہ تھا لیکن آتھم اس کی طرح نہیں تھا ۳؎ ۔ وہ ہلاکت کی حد سے کچھ ورے تھا اور اسے ابھی کچھ ڈھیل کا میدان اور عبور کرنا تھا اس لئے خداتعالیٰ نے اس کیلئے شرط لگادی کہ اگر یہ توبہ کرلے گا تو ہلاک نہیں ہوگا ورنہ تباہ ہوجاوے گا۔ اس نے پہلے تو کہہ دیا کہ مَیں نے محمد (رسول اللہ ﷺ) کو دجّال نہیں کہا۔ لیکن جب اسے خداتعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نیکی

دیکھ کر ڈر جانے کی وجہ سے ہلاکت سے بچالیا تو اس نے خیال کیا کہ میرے متعلق جو پیشگوئی تھی وہ جھوٹی ہی تھی اس نے اپنے ڈر جانے والی حق بات کو چھپالیا اور اسے ظاہر نہ کیا اس لئے پھر تباہ ہوگیا- تو خداتعالیٰ نے ہم کو ہر طرح کے نظارے دکھادیئے کہ بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جو آگے بڑھ سکتے ہیں لیکن بعض میں آگے بڑھنے کی طاقت نہیں ہوتی-

بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جو گناہ کرکے اس پر فخر کرتے ہیں وہ شرارت سے گناہ کاارتکاب کرتے ہیں- اور بعض ایک گناہ مجبوری سے کرتے ہیں مثلاً ان پر حرص غالب آجاتی ہے' طمع اندھا کردیتا ہے' جوش محبت' دشمنی وغیرہ جذبات مجبور کردیتے ہیں- مگر ایک گناہ ایسا ہوتا ہے جو کہ انتہائی درجہ کو پہنچ جاتاہے- وہ فوری جوش سے نہیں ہوتا' بلکہ ناپاک طبیعت کا نتیجہ ہوتا ہے- ایسے انسان بے حیا ہوجاتے ہیں اور گرتے گرتے ایسے گرجاتے ہیں کہ پھر کبھی اُٹھ نہیں سکتے اور ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوسکتی- اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر فرمایا ہے کہ کیاایسے آدمیوں سے تم ایمان لانے کی طمع رکھتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی نسبت ایمان لانے کی طمع رکھنی ٹھیک ہے کیونکہ یہ نہیں فرمایا کہ کیوں طمع رکھتے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک خاص گروہ کا ذکر فرمایا ہے کہ کیا تم ان کے ایمان کی طمع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان کر نیکی کریں گے' نہیں وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے- ایک کمزور ایمان انسان ممکن ہے کبھی اپنی کمزوری سے مجبور ہوکر انسان کے کلام میں تحریف کردے- مگر ایک انسان جو ایک کلام کو خداتعالیٰ کا کلام مانتاہو اور اسے اس بات کا یقین بھی ہو اور پھر اس میں تحریف کرے تو وہ بہت بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے- یہاں خداتعالیٰ نے یَسْمَعُوْنَ الْقُرْاٰنَ نہیں فرمایا بلکہ کلام اللہ فرمایا- اس لئے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو قرآن شریف کو کلام اللہ سمجھتے ہیں- ورنہ ایسے لوگ تو بہت ہیں جو قرآن شریف کو کلام اللہ نہیں سمجھتے-

پھر ایسے لوگ کیا کرتے ہیں- اس میں تحریف کردیتے ہیں- تحریف تو غلطی سے بھی ہوجاتی ہے- مثلاً کسی نے غلط تفسیر کردی- لیکن یہ ایسا نہیں کرتے بلکہ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ اس کلام کا یہ مطلب نہیں- مگر پھروہ کہتے ہین کہ یہی ہے- پھر بعض دفعہ انسان سمجھتاہے کہ یہ مطلب ہے مگراس سے بے جانے بوجھے تحریف ہوجاتی ہے- مثلاً جلدی سے کوئی کلمہ نکل جاتاہے حالانکہ انسان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے- جس طرح حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کہا اے خدا تُو میرا بندہ ہے اور میں تیرا خدا ہوں [۲] - وہ اصل بات جانتا تھا مگراس

کے منہ سے یہ نکل گیا اور اس نے جان کر ایسا نہ کہا تھا- بہت سے موقعے ایسے ہوتے ہیں کہ انسان سمجھتا کچھ ہے اور کہہ کچھ جاتا ہے- فرمایا کہ جب انسان میں یہ تین باتیں ہوں کہ ایک تو وہ خدا کا کلام سمجھتا ہو- دوسرے اس کے معنے اور مطلب بھی سمجھتا ہو- تیسرے تحریف بھی جان بوجھ کر کرتا ہو- پھر ایسے انسان سے ایمان کی کیا امید رکھ سکتے ہو- وہ تو گناہ کے اس درجہ کو پہنچ چکا ہے کہ اب اس سے واپس آنا اس کیلئے ناممکن ہے- یہ شرائط اس لئے لگائی ہیں کہ ممکن ہے ایک آدمی تمام قرآن سے واقف نہ ہو اس لئے ایک آیت کی تفسیر میں ٹھوکر کھاجائے- سارے قرآن کا جاننے والا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا- پہلے مفسرین اور علماء کی آج ہمیں غلطیاں معلوم ہو رہی ہیں اور ممکن ہے کہ ہماری غلطیاں آئندہ آنے والی نسلوں کو معلوم ہوں- قرآن خدا تعالیٰ کا کلام ہے بندے کا کیا مقدور ہے کہ اس سارے کا احاطہ کر سکے- مگر اس قسم کے لوگ اس حد تک خوب سمجھتے ہیں جہاں تک کہ انہیں بیان کرنا ہوتا ہے- لیکن پھر جان بوجھ کر شرارت کرتے ہیں-

ہمارے سلسلہ کے بھی بعض ایسے دشمن ہیں جو باوجود اصل معنی جاننے کے اور اور معنے کرتے ہیں- بڑے بڑے مخالف حضرت صاحب کی تحریروں کا مطلب خوب سمجھتے ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے اور اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ایسے لوگ کبھی مباہلہ کے میدان میں نہیں آتے- خواہ انہیں کتنی ہی غیرت اور جوش دلایا جاوے- حضرت صاحب کی عبارات کو خوب سمجھتے ہیں کچھ اگلا اور کچھ پچھلا حصہ کاٹ کر شائع کر دیتے ہیں- غرضیکہ بعض لوگ گناہ کی حد کو پہنچ جاتے ہیں جس کا نتیجہ انہیں بہت بُرا حاصل ہوتا ہے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو آدمی ہمارے کلام کو ہمارا کلام سمجھتا ہو پھر اس کے معنی بھی جانتا ہو- پھر جان بوجھ کر لوگوں کو ایسے معنے بتائے جو اصل میں نہ ہوں تو ایسے آدمی کی نسبت ایمان لانے کا طمع رکھنا کچھ مفید نہیں ہو سکتا- ایسا انسان ڈھیل کی حد کو طے کر چکا ہوتا ہے اس کیلئے ہدایت کی امید رکھنا فضول ہے-

اب اگر کوئی کہے کہ ایسے اشخاص کو بھی کچھ نہ کہو کیونکہ وہ شاید مان جائیں یا ایک شخص کہے کہ نبی کا انجام دیکھنا چاہیئے کیا ہوتا ہے- تو ایسا آدمی پاگل ہے وہ شخص جو گمراہی کی آخری حد کو پہنچ چکا ہو وہ کبھی ہدایت نہیں پاسکتا- اور جو نبی ہو اس کا انجام کبھی بُرا نہیں ہو سکتا-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا تم کارخانۂ قدرت پر غور نہیں کرتے- ہر ایک چیز کیلئے دو نقطے

ہوتے ہیں جیسے بعض اوقات صحت بیماری پر غالب آجاتی ہے اس لئے اس کو دبالیتی ہے- یا بعض دفعہ بیماری صحت پر غالب آجاتی ہے- ایک بیمار کی درمیانی حالت میں کبھی صحت غالب آجاتی ہے اور کبھی بیماری لیکن انتہاء میں جو غالب ہو وہی نتیجہ سمجھا جاتا ہے اور سب کاموں میں اسی طرح ہوتا ہے- بعض انسان اپنے دماغ کا استعمال چھوڑ دیتے ہیں- پھر انہیں کوئی بات سمجھ ہی نہیں آسکتی- یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پرانا خادم پیرا ہوتا تھا-اس کو باوجود کئی دفعہ سمجھانے کے بھی مذہب کی اتنی سمجھ نہ آئی کہ ہوتا کیا ہے- لیکن ایسے آدمیوں کے مقابلہ میں وہ بھی ہوتے ہیں جو اپنے جان و مال کی عزت و آبرو' خویش و اقارب تک کو چھوڑ دیتے ہیں مگر اپنے تک شیطان کا ہاتھ نہیں آنے دیتے- ان سے شیطان نا امید ہوجاتا ہے یا آنحضرت ﷺ کی اصطلاح میں ان کا شیطان بھی مسلمان ہوجاتا ہے- ایسے لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ درمیانی حد کو عبور کرچکے ہوتے ہیں-

انسان کے اندر کبھی ملائکہ نیکی کی تحریکیں کرتے ہیں اور کبھی شیطان بدی کی ترغیب دیتا ہے ان کی آپس میں خوب جنگ ہوتی ہے- پھر اگر خود انسان ملائکہ سے مل جائے تو یہ دونوں مل کر شیطان کو پچھاڑ دیتے ہیں اور اگر شیطان سے مل جائے تو دونوں ملائکہ پر غالب آجاتے ہیں- کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جب یہ خود شیطان کے ساتھ مل کر اپنے آپ کو تباہ کررہا ہے تو ہمیں بچانے کی کیا ضرورت ہے- اس اندر کی جنگ کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی جنگ نہیں آسکتی- جرمنی اور فرانس میں جنگ ہورہی ہے یہ ایک دوسرے کو مارتے مارتے آخر کار صلح کرلیں گے- لیکن جو انسان کے اندر جنگ ہوتی ہے اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ یا تو انسان کو خدا کے پاس جابٹھاتی ہے- یا ابدالآباد تک جہنم میں ڈال دیتی ہے- اس لڑائی کے مقابلہ میں دنیا کی فوجیں چیز ہی کیا ہیں- انسان کو خدا کا قرب حاصل کرنے کیلئے ہزاروں خواہشوں کا ہرروز خون کرنا پڑتا ہے اس کی تلوار کبھی میان میں نہیں ہوتی کیونکہ جب تک وہ قتل عام جاری نہ رکھے وہ کامیاب نہیں ہوسکتا- اس کے مقابلہ میں بعض ایسے انسان جو کہ نیکوں کا خون کرتے ہیں اور اپنے نیک ارادوں اور خواہشوں کو بُری باتوں پر قربان کردیتے ہیں- تو انسان کے اندر ایک بڑی بھاری جنگ شروع ہے اس لئے اس سے کسی وقت غافل نہیں ہونا چاہیئے- اور تھوڑی سی کامیابی حاصل کرکے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اب اس جنگ کا فیصلہ ہوگیا ہے- یہ فیصلہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ نفس امارہ ایسا پامال نہ ہوجائے کہ

اسے پھر اُٹھنے کی طاقت ہی نہ رہے۔ اگر دل میں کبھی بدی کی تحریک ہو تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ابھی دشمن طاقتور ہے اس کے قلع قمع کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ پھر جب شیطان بالکل ناامید ہوجائے تو وہ وقت مومن کیلئے خوشی کا وقت ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کافر کی تباہی کا وقت قریب آجاتا ہے تو مومنوں کو اس کی نسبت حکم ہوجاتا ہے کہ اب اس کو چھوڑ دو۔

اگر کوئی شخص مُردہ کو اس لئے دوائی پلائے کہ شاید زندہ ہوجائے کیونکہ خداتعالیٰ نے قرآن شریف میں حضرت یعقوبؑ کا قول بیان فرمایا ہے۔ وَ لَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ۵ - تو وہ پاگل ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کے قانون سے ناواقف ہے کیونکہ مُردہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ جہاں خدا نے کہہ دیا ہے کہ اس سے علیحدہ ہوجاؤ اور ایک گڑھے میں اس کو دبادو۔ اگر ناامید نہ ہونا خداتعالیٰ کا حکم ہے تو علیحدہ ہوجانا بھی تو اسی کا حکم ہے۔ اسی طرح جب کافر اپنے کفر میں بڑھ رہا ہو لیکن ابھی وہ ڈھیل کے میدان کے اندر ہو تو ہمیں حکم ہے کہ اس سے ناامید نہ ہوجاؤ اور اس کے ایمان لانے کی طمع رکھو اور اس کیلئے کوشش کرو لیکن اگر وہ اس حالت کو پہنچ جائے جہاں خداتعالیٰ کا یہ فتویٰ ہے کہ اب ہدایت نہیں پاسکتا۔ تو ہم کو اس پر وقت ضائع کرنے کی بجائے اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے جو کہ قبول کرنے والا ہو۔

ہر ایک مومن کو دیکھنا چاہیئے کہ شیطان میرے کاموں میں تو شریک نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو وہ سمجھے کہ مَیں ابھی اس حد تک نہیں پہنچا جہاں کہ شیطان سے بالکل محفوظ رہ سکتاہوں۔ ایسا مومن ابھی میدان جنگ میں ہے اس کو یقین کرنا چاہیئے کہ دشمن ابھی بھاگا نہیں۔ وہ مومن جو اپنے نفس کے بدلے خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتاہے اس کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے یہاں تک کہ دشمن اس سے بالکل طمع چھوڑدے۔ کبھی تم نے دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے پاس کوئی شخص اس لئے آیا ہو کہ آپ کو سمجھائے۔ لیکن کئی احمدی ایسے ہیں کہ جن کے پیچھے لوگ لگے رہتے ہیں اور اپنے قبضہ میں کرنا چاہتے ہیں۔ تو جو مومن یہ دیکھے کہ دشمن مجھ سے طمع رکھتا ہے اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کامیابی کے انتہائی نقطہ پر نہیں پہنچا۔ اپنی حالت کے پرکھنے کا یہ ایک بہت عمدہ معیار ہے۔

شیطان کا مومنوں کی طرف سے ناامید ہونا یہ ہے کہ وہ ان کو کسی برے کام کی طرف ترغیب دینا چھوڑ دے لیکن اس کا مسلمان ہونا یہ ہے کہ مومن اس درجہ کو پہنچ جاوے کہ

وہی لوگ جو اس کی تکالیف کا موجب ہوتے تھے' اس کے پاس آکر کہیں کہ ہمیں سمجھاؤ اور سیدھی راہ بتاؤ- دیکھو حضرت مسیح موعودؑ کے پاس پہلے لوگ اس لئے آتے کہ سمجھائیں لیکن پھر وہی مقابلہ پر آنے والوں میں سے ہی اس لئے آئے کہ ہمیں سمجھاؤ اور اپنے ساتھ ملا لو- اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اس درجہ اور اس مقام کو پہنچ جائیں- جہاں شیطان اور اس کے دوستوں کی تمام امیدیں منقطع ہو جائیں اور وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہیں-

(الفضل ۲۴- ستمبر ۱۹۱۴ء)

۱؎ البقرة:۷۶

۲؎ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۸۶ المکتب الاسلامیة بیروت ۱۳۱۳ھ

۳؎ عیسائی پادری ڈپٹی عبداللہ آتھم اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ۲۲- مئی ۱۸۹۳ء سے لے کر ۵- جون ۱۸۹۳ء تک بمقام امرتسر ہونے والے مباحثہ میں عیسائیوں کی طرف سے پیش ہوا-

۴؎ بخاری کتاب الدعوات باب التوبة

۵؎ یوسف:۸۸